اکائی:2 قرآن کا نزول اور اس کی تدوین

2.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ وحی قرآنی کی حقیقت، قرآن کے نزول اور اس کی تدوین سے واقف ہو پائیں گے۔اس کے علاوہ انہیں قرآن کے اعجاز کی حقیقت معلوم ہوگی اور اس ضمن میں وہ قرآن کی ان خصوصیات سے بھی آگاہ ہوں گے جو اس کو دوسری کتابوں سے ممتاز کرتی ہیں۔

2.2 تمہید

قرآن کی تدوین پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد اسلامی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ تھا۔ یہ صحابہ کرام خصوصا ابوبکرؓ وعمرؓ کی بے پناہ بصیرت اور دوراندیشی کی سب سے اہم مثال تھا۔وحی قرآنی کا جو سلسلہ 610 میں شروع ہوا، انسانی تاریخ اس کے ذریعے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔قرآن متعدد ایسی منفرد خصوصیات کا حامل ہے، جو دوسری آسمانی کتابوں کو حاصل نہیں۔تدوین کا معاملہ بھی انہیں خصوصیات سے تعلق رکھتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے دنیا میں جو بھی صالح انقلاب پیدا کیا، وہ دراصل قرآن کا ہی فیض ہے۔عربی زبان وادب پر قرآن کے زبردست اثرات مرتب ہوئے اور اس نے اسلام کی اجتماعی فکر کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا۔

2.3 قرآن کا مختصر تعارف

قرآن آخری آسمانی کتاب ہے جو آخری پیغمبر محمد بن عبداللہ ﷺ پر خدا کی طرف سے نازل کی گئی۔اس کے نزول کا سلسلہ غار حرا سے شروع ہوا۔

مسلمانوں کی عقیدے کے مطابق، قرآن کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی انسانی تحریفات اور تبدیلیوں سے پاک ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خود خدا نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے (الحجر:9)۔جبکہ اس سے قبل نازل ہونے والی کتابوں کا معاملہ یہ ہے کہ یا تو اب وہ سرے سے دنیا سے ناپید ہو چکی ہیں یا پھر تحریف وتبدیلی کی وجہ سے ان کی حیثیت خدا کے مکمل سرچشمۂ ہدایت کی نہیں رہی۔قرآن کے نزول سے تاریخ انسانی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔قرآن کی پہلی وحی پڑھنے کی تلقین (اقرأ) سے شروع ہوئی تھی، چناں چہ قرآن کے ذریعہ دنیا میں علم وتمدن کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔

قرآن سے مختلف علوم کی سیکڑوں شاخیں نکلیں جن پر مختلف زبانوں میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں جو دنیا کے مکتبات کی زینت ہیں۔یہ قرآن کا عملی معجزہ ہے۔علمی معجزہ یہ ہے کہ اس نے انسانی فکر میں ایک زبردست انقلاب برپا کر دیا۔قرآنی تعلیمات کا سب سے اہم امتیاز اس کا نظریہ توحید ہے۔قرآن کے نزول سے قبل توحید کی اصل روح اور بنیادی حقیقت دنیا کی اکثر قوموں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔قرآن نے اپنی مؤثر تعلیمات کے ذریعہ اس حقیقت کو بے غبار شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔قرآن کی ایک دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ بار بار اور شدت کے ساتھ کائنات انسان کے اپنے وجود اور کائنات میں غور وتدبر کی لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔

2.4 وجہ تسمیہ

قرآن کو قرآن کہنے کی وجہ کیا ہے؟ قرآن کا لفظ دراصل قَرَأَ یَقرَأُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی 'پڑھنا' کے ہیں۔یہ لفظ 'مصدر' ہے لیکن اسے 'اسم مفعول' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی پڑھی ہوئی یا پڑھی جانے والی کتاب۔قرآن کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: ''قرآن اللہ تعالی کا وہ کلام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور آپ سے بغیر کسی ادنیٰ شبہے کے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔'' قرآن کے علاوہ اس کے مختلف نام ہیں: الفرقان، الکتاب، التنزیل اور الذکر وغیرہ لیکن ان میں سب سے مشہور نام ''القرآن'' ہی ہے۔خود قرآن میں قرآن کے نام کے طور پر سب سے زیادہ اسی کا استعمال کیا گیا ہے۔

2.5 وحی کی حقیقت

عقل وحواس کے بعد وحی دوسرا ذریعہ علم ہے۔ اسکی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ غیب کا علم حاصل ہوتا ہے۔اگر وحی کو بیچ سے نکال دیا جائے تو پھر غیب سے تعلق رکھنے والے امور کا علم حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔اسی طرح اس کائنات کی حقیقت، اس کائنات میں انسان کی حیثیت اور اس کی تخلیق کا مقصد بھی صرف وحی کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

وحی نبوت کی خاصیت ہے۔حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک خدا کی طرف سے وحی کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔پیغمبر

محمد صلی علیہ وسلم اور دوسرے انبیا پر نازل ہونے والی وحی میں فی نفسہ سرے سے کوئی فرق نہیں۔ ظاہر ہے دونوں کا ماخذ اور مقصد ایک ہی تھا۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کیا۔ ہم نے بعض رسولوں کا ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں، اور اللہ تعالی نے موسیٰ سے صاف طور پر کلام کیا۔'' (النساء 164-163) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکمل حد تک وحی خداوندی کے پابند تھے۔ وہ محض اپنی خواہش اور مرضی سے کوئی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ اس بات کی وضاحت قرآن میں کی گئی ہے۔ چناں چہ قرآن کہتا ہے:

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الھَوٰی۔ اِنْ ھُوَاِلَّا وَحیٌ یُّوْحٰی ''وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کہتے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے''۔ (النجم 3-4:) اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

قُل اَنَّمَا اَتَّبِعُ مَایُوحٰی اِلَیَّی مِن رَّبِّی ''آپ کہہ دیجئے کہ میں اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف کی جاتی ہے۔'' (الاعراف: 7)

''وحی'' یا اس سے مشتق لفظ ''اِیحا'' کے معنی عربی میں اشارہ کرنے کے ہیں۔ قرآن میں اس معنی میں اس لفظ کا استعمال اس آیت میں کیا گیا ہے:

فَخَرَجَ عَلٰی قَومِہٖ مِنَ المِحْرَابِ فَاَوْحٰی اِلَیھِمْ اَنْ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّعَشِیّا ''پس وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہا کرو'' (مریم:11)۔ اس طرح وحی کا ایک توسیعی معنیٰ ''کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دینا'' بھی ہے۔ قرآن میں متعدد جگہوں پر وحی کا استعمال اس معنی میں کیا گیا ہے۔ جیسے شہد کی مکھی کے تعلق سے قرآن میں کہا گیا:

وَ اَوحٰی رَبُّکَ اَلیٰ النَّحلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتاً ''اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے''۔ (النحل:68)

وَ اَوحَینَا اِلٰی مُوسٰی اَنِ اَرضِعِیہِ ''ہم نے موسیٰ کی والدہ کو یہ الہام کیا (ان کے دل میں یہ بات ڈال دی) کہ موسیٰ کو دودھ پلاؤ'' (القصص:7)۔ شیطان انسان کے دلوں میں جو وسوسہ ڈالتا ہے، اس کے لیے بھی قرآن میں اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے: وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوّاً شَیَاطِیْنَ الْاِنسِ وَالْجِنِّ یُوحٰی بَعْضُھُمْ إِلٰی بَعْضٍ ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے ایک نہ ایک دشمن کو ضرور پیدا کیا ہے، جن و انس کے شیاطین میں سے؛ جو ایک دوسرے کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں'' (الا نعام:112)۔

یہ معانی اور مثالیں وحی کے لغوی مفہوم سے تعلق رکھتی ہیں، جہاں تک اس کے اصطلاحی معنی کا معاملہ ہے۔ تو اس کے معنی ہیں: ''اللہ تعالی کا وہ کلام جو اس کے کسی نبی پر اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہو''۔ مسلمانوں کے اجماعی عقیدے کے مطابق وحی کا سلسلہ قیامت تک کے لیے بند ہو چکا ہے۔ اس لیے اس تعلق سے کسی شخص کی طرف سے کوئی بھی دعوی مسلمانوں کے بنیادی عقیدے سے متصادم اور اس اعتبار سے باطل ہے۔ اس طرح یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ وحی اور کشف والہام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کشف والہام کوئی یقینی ذریعہ علم نہیں ہے، نہ ہی اس کا انکار و تسلیم عقیدے کا جز ہے۔ جب کہ وحی کا انکار ایمان کے منافی ہے۔ اس کا منکر ایمان سے نکل جاتا ہے۔

2.6 وحی کے نازل ہونے کی مختلف صورتیں

پیغمبر خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل کی جاتی تھی۔ اس کا ذکر خود حدیث میں آیا ہے۔ ایک صحابی کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے، آپ نے فرمایا:

''بعض اوقات نزول وحی کے وقت مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ میرے لیے بہت سخت ہوتی ہے۔ جب یہ کیفیت دور ہو جاتی ہے تو جو کچھ مجھے بتایا گیا ہوتا ہے۔ وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات فرشتہ انسانی صورت میں آکر بات چیت کرتا ہے اور اس کو سن کر میں یاد کر لیتا ہوں''۔ (صحیح بخاری باب بدء الوحی، عن حارث بن ہشام)۔ اس حدیث سے نزول وحی کے دو طریقوں کا علم ہوتا ہے۔ تاہم دوسری روایات اور صحابہ کرام کے اقوال کے مطابق، آپ پر مختلف طریقوں سے وحی کا نزول ہوتا تھا:

1۔ صلصلۃ الجرس

صلصلہ گھنٹی بجنے اور جرس گھنٹی کو کہتے ہیں۔ آپؐ پر گھنٹیوں کی آواز کی شکل میں وحی آتی تھی۔ وحی کی یہ شکل آپؐ کے ارشاد کے مطابق آپؐ کے لیے بہت مشکل ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ اگر آپ کسی اونٹنی پر بیٹھے ہوئے ہوتے تو وہ آپ کے بوجھ سے دبنے لگتی۔ بعض

اوقات اس وحی کی ہلکی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی۔حضرت عمر فاروقؓ کے بقول یہ آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے مشابہ ہوتی تھی۔

2۔ فرشتے کا انسانی شکل میں آنا

وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ (جبریلؑ) انسان کی شکل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر خدا کا پیغام آپ کو پہنچا دیتا تھا۔آپ کے ارشاد کے مطابق وحی کی یہ صورت آپ کے لیے نہایت آسان ہوتی تھی۔

3۔ فرشتے کا اپنی اصل شکل میں آنا

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبریلؑ اپنی اصل شکل میں آپ کو دکھائی دیتے تھے اور آپ کے پاس خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔لیکن ایسا صرف دو یا تین مرتبہ ہی پیش آیا۔

4۔ ہم کلامی

انبیائے کرام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا جو شرف حاصل ہوا اس کا تذکرہ قرآن میں بھی وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالی نے موسی سے گفتگو کی (النساء:164)۔لیکن یہ حضرت موسیٰ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔یہ شرف آپ کو بھی معراج کے موقع پر بیداری میں اور ایک مرتبہ خواب میں حاصل ہوا۔

5۔ سچے خواب

وحی کی ایک صورت سچے خوابوں کی ہے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:''ابتدا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں وحی کے طور پر سچے خواب آیا کرتے تھے۔اس وقت آپ کے تمام خواب صبح کی روشنی کی طرح سچے نکلتے تھے۔''(متفق علیہ)

6۔ القائے قلب

ایک صورت وحی کی یہ تھی کہ فرشتہ آپ کے سامنے آئے بغیر آپؐ کے قلب میں خدا کے پیغام کو القا کر دیا کرتا تھا۔چناں چہ آپ نے فرمایا کہ:''روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ کوئی شخص اس وقت تک دنیا سے جا نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کر لے''۔

بعض اہل علم نے بعض اور دوسری صورتوں کا بھی ذکر کیا ہے،لیکن وہ عموماً انھی صورتوں کے ضمن میں آجاتی ہیں۔

یہاں یہ سمجھ لینا بھی بہتر وحی کی علما نے دو قسمیں کی ہیں:''وحی متلوّ'اور' وحی غیر متلوّ'۔

وحی متلو: یعنی تلاوت کی جانے والی وحی اور یہ قرآن ہے۔جس کے الفاظ و معانی دونوں خدا کی طرف سے ہیں اور ان میں ذرہ برابر بھی کوئی کمی بیشی نہ ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔کیوں کہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا،خود اللہ تبارک وتعالی نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

وحی غیر متلو: یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی یا وہ قرآن کا جز نہیں۔یہ صحیح و متواتر احادیث ہیں۔اس وحی کا مفہوم تو خدا کی طرف سے ہے لیکن الفاظ خود آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یا حضرت جبریلؑ کے ہیں۔البتہ حدیث قدسی سے متعلق علما کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ اس کے الفاظ بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ [illegible] اللہ تعالی کے الفاظ ہوں۔اور وہ مکمل طور پر محفوظ بھی ہوں۔نیز اپنی حیثیت اور [illegible] ومفہوم میں وہ کسی بھی طرح قرآن کے برابر نہیں ہیں۔

2.7 قرآن کریم کا نزول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول 23 رسالوں میں مکمل ہوا۔اس پوری مدت میں قرآن تدریجی طور پر آپ پر نازل ہوتا رہے۔یہ مدت مکہ میں ہجرت سے قبل آپ کے قیام کے 13 رسال اور ہجرت کے بعد مدینہ میں قیام کے 10 رسالوں پر مشتمل ہے۔قرآن کی بہت سی آیات اور سورتیں اپنے نزول میں واقعاتی پس منظر رکھتی ہیں یعنی عموماً ایسے واقعات وحادثات پیش آتے رہے،جن میں خدا کی طرف سے رہنمائی کے لیے قرآن کی چھوٹی بڑی،مکمل یا غیر مکمل شکل میں آیتیں اور سورتیں نازل ہوتی رہیں۔

قرآن کے یکبارگی کے بجائے تدریجی طور پر نازل ہونے کی علما نے مختلف مصلحتیں اور حکمتیں بیان کی ہیں۔ایک کا ذکر تو خود قرآن میں بھی آیا ہے کہ وہ آپ کے قلب

کی تقویت کا ذریعہ ہے (الفرقان:23)۔یعنی آپ کو اپنے تبلیغی مشن میں مختلف سطحوں پر جو مصائب ومشکلات درپیش تھیں، حضرت جبریلؑ کا آپ کے پاس خدا کی طرف سے پیغام لے کر آنا آپ کے دل کی تقویت اور اطمینان کا باعث بنتا تھا۔ دوسری حکمت یہ تھی کہ اگر پورا قرآن ایک مرتبہ نازل ہوجاتا تو شریعت کے سارے احکامات کی پابندی بیک وقت ضروری ہوجاتی اور یہ بات انسانی طبیعت کے لحاظ سے قرین مصلحت نہیں تھی۔ سب سے اہم یہ کہ قرآن کا ایک بہت بڑا حصہ، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، واقعات وحوادث سے مربوط تھا، اس لیے متعلقہ واقعات کے پیش آنے سے قبل ان کا نزول کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

قرآن کے نزول کا آغاز شب قدر سے ہوا اور پہلے پہل غار حرا میں سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ یہاں نزول کے ایک دوسرے پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:''میں نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے''۔(القدر:1) اس کا مطلب حدیث کی روشنی میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اولاً قرآن مکمل طور پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے ایک مقام'' بیت العزت'' پر نازل کیا گیا پھر وہاں سے حسب موقع وواقعہ جستہ جستہ آپؐ پر نازل ہوتا رہا۔

اس وقت قرآن مصحف میں جس ترتیب سے موجود ہے، آں حضرتؐ پر اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا تھا۔ البتہ یہ ترتیب آپ کے حکم کے مطابق ہی قائم کی گئی۔ جب بھی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو آپ کاتب وحی کو یہ بتاتے کہ اسے کس سورت میں اور کس مقام پر لکھا جائے؟ بظاہر یہ اجتہاد بھی آپؐ کا نہیں تھا بلکہ غالباً متعلقہ آیات کی تعلیم کے ساتھ قرآن میں ان کی متعلقہ جگہ کی نشان دہی بھی حضرت جبریلؑ فرمایا کرتے تھے۔

معلومات کی جانچ

1۔قرآن کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

2۔وحی کے لغوی واصطلاحی معنی کیا ہیں؟

3۔پیغمبر اسلام پر وحی کے نزول کی عمومی صورتیں کیا تھیں؟

4۔تدریج کے ساتھ قرآن کے نزول کی حکمتیں کیا ہیں؟

5۔وحی متلو کسے کہتے ہیں؟

2.7.1 قرآن کی حفاظت وتدوین

قران کی جمع وتدوین کا کام جیسا کہ اوپر اس کی کچھ تفصیل گزری، عہد رسالت میں شروع ہوچکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خصوصی طور پر اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دو طریقے اختیار فرمائے۔ جمع صدور یعنی قرآن کو یاد کر کے سینے میں محفوظ کرنے کے ذریعہ اور جمع مکتوب یعنی تحریر وکتابت کے ذریعہ۔ آں حضرت پر جو آیتیں نازل ہوتیں انہیں وہ پہلے خود یاد کر لیتے پھر کاتبین وحی میں سے کسی کو بلا کر انہیں فوراً لکھوا دیا کرتے تھے۔ شروع شروع میں آپ کا زیادہ زور حافظے پر تھے۔ آپ کو اس تعلق سے اس قدر فکر واضطراب ہوتا کہ جب حضرت جبریل آپ پر وحی لے کر نازل ہوتے تو آپ اشتیاق واضطراب میں اسے تیزی سے دہرانے لگتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ وحی قرآن کو جلد از جلد یاد کر لینے کی تڑپ میں آپ زبان کو زیادہ تیزی کے ساتھ حرکت دینے کی کوشش نہ کریں۔ اس کو جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ (القیامۃ: 17-61)

وحی قرآنی کی کتابت کروانے کے بعد وہ آیات صحابہ کرامؓ کے درمیان پھیل جاتیں۔ وہ انہیں یاد کرتے اور بہت سے صحابہ کرامؓ ان کی نقلیں بھی تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ چوں کہ قرآن کا حفظ نسبتاً تمام افراد صحابہ کے لیے زیادہ آسان بھی تھا اور ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اس کے اہتمام کا اشارہ بھی ملا تھا، اس لیے آپ نے صحابہ کرامؓ کو حفظ قرآن کی ترغیب دی۔ مزید برآں تعلیم قرآن کے تعلق سے آپ نے لوگوں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ کسی مستند استاد سے ہی قرآن کو پڑھیں۔ ظاہر ہے رسول اللہ سے زیادہ مستند استاذ کون ہوسکتا ہے، اس لیے لوگوں کو آپ سے قرآن پڑھنے اور سیکھنے کا التزام کرنا چاہئے۔ جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے فہم وقرأت کے ماہر بعض صحابہ کرام کو بھی اس پر مامور کیا کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھایا کریں۔ قرآن پڑھانے والے صحابہ کرام میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ، اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی۔ خاص طور پر حضرت ابی بن کعبؓ سے صحابہ کی کثیر تعداد نے قرآن پڑھا۔ قرآن پڑھنا اور قرآن سمجھنا صحابہ کا سب سے اہم معمول اور مشغلہ بن گیا۔ مسجد نبوی قرآن کی تلاوت سے گونجنے لگی۔ یہاں تک کہ آپ کو لوگوں کو یہ حکم دینا پڑا کہ وہ آہستگی کے ساتھ قرآن پڑھا کریں تاکہ دوسروں کو ان کے پڑھنے سے خلل نہ ہو۔ قرآن کے ساتھ اس انتہائی شغف کے نتیجے میں صحابہؓ کے درمیان حفاظ کی بہت بڑی تعداد پیدا ہوگئی۔ یہ تعداد بلاشبہ سینکڑوں میں تھی۔ کیوں کہ جیسا کہ روایات سے اندازہ ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلے میں تعلیم قرآن کے لیے ستر (70) ستر (70) حفاظ بھیجے تھے۔ چنانچہ واقعہ بئر معونہ میں شہید ہونے والے

صحابہ کی تعداد ستر (70) تھی۔ تقریباً اتنی ہی تعداد جنگ یمامہ کے موقع پر شہید ہونے والے صحابہ کی ہے۔ حفاظ صحابہ کے علاوہ بہت بڑی تعداد ان اصحابؓ کی ہے جنہوں نے قرآن کے مختلف اجزا اور سورتوں کو یاد کر رکھا تھا۔

قرآن کے تعلق سے یہ اہتمام وانتظام قرآنی تعلیمات کی امت میں اشاعت کے علاوہ، قرآن کی حفاظت کی ہی ایک مضبوط شکل تھی۔

2.7.2 قرآن کی کتابت وتدوین کے تین مراحل

پہلا مرحلہ: عہد نبوی

سینوں کے ساتھ سفینوں کے ذریعے قرآن کی حفاظت اور اس کی تدوین کا کام بھی عہد نبوی میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم متعدد صحابہ کرامؓ سے قرآن کی کتابت کا کام لیا کرتے تھے۔ جن میں خاص طور پر چاروں خلفائے راشدین: ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے علاوہ زید بن ثابتؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، ابی بن کعبؓ، خالد بن ولیدؓ اور ثابت بن قیسؓ شامل ہیں۔ کتابت وحی کے تعلق سے آپ کا طریقہ یہ تھا کہ کاتبین وحی میں سے کسی کو بلا کر اسے پہلے لکھواتے، پھر اس کی صحت کے اطمینان کے لیے متعلقہ صحابی سے پڑھوا کر سنتے تھے اور ضرورت پڑنے پر اس کی اصلاح فرما دیتے تھے۔ اس کا اندازہ حضرت زید بن ثابتؓ کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ: ''(وحی نازل ہونے کے بعد) میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا کوئی ٹکڑا آپؐ کے پاس لے آتا۔ آپؐ لکھواتے اور میں لکھتا۔ پھر جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو مجھے محسوس ہوتا کہ جیسے قرآن نقل کرنے کے بوجھ سے میری ٹانگ ٹوٹی جاری ہے۔ یہاں تک کہ میں کہتا کہ اب میں کبھی اپنی ان ٹانگوں سے نہیں چل سکوں گا پھر جب میں لکھ کر فارغ ہو جاتا تو آپؐ اس لکھے ہوئے حصے کو پڑھنے کو کہتے۔ اگر اس میں کوئی چیز چھوٹ گئی ہوتی تو آپ اس کی تصحیح فرما دیتے۔ پھر اسے لوگوں کے درمیان لے آتے''۔ (طبرانی) اس وقت قرآن زیادہ تر کھجور کی شاخوں، جانوروں کی ہڈیوں، چمڑے کے ٹکڑوں، پتھر کی سلوں اور درخت کے پتوں پر لکھا جاتا تھا۔

یہ بات صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باضابطہ مصحف کی شکل میں اپنے عہد میں قرآن کو یکجا اور مرتب نہیں کرایا، تاہم یہ بات بھی صحیح ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ کے پاس قرآن کے اہم حصے نبوی ترتیب کے ساتھ محفوظ تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے بھی ہوتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں ایسا ہی کچھ حصہ حضرت عمر فاروق کی بہن اور بہنوئی کے پاس تھا جسے وہ اس وقت پڑھ رہے تھے، جب ان کے بارے میں اسلام لانے کی خبر سن کر وہ ان کے پاس پہنچے تھے۔ بخاری میں رسول اللہ کی ایک حدیث ہے کہ آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ قرآن کو لے کر دشمن کی زمین میں سفر کیا جائے۔ ظاہر ہے جب تک قرآن کا معتدبہ اور قابل ذکر حصہ مرتب شکل میں موجود نہ ہو اس پر قرآن کا اطلاق کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟

مختلف روایات واضح طور پر اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ متعدد صحابہ کرامؓ کے پاس مکمل یا نامکمل نسخے لکھے ہوئے موجود تھے۔

دوسرا مرحلہ عہد ابوبکرؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت قرآن سینکڑوں صحابہ کرام کے سینوں میں نیز ان کے پاس تحریری شکل میں محفوظ ہو چکا تھا۔ وہ ان کی تلاوت کرتے اور دوسروں کو ان کی تعلیم دیتے تھے۔ بعض اصحاب کے پاس باضابطہ قرآنی سورتوں کے مجموعے بھی موجود تھے لیکن یہ مجموعے مکمل نہیں تھے۔ بعضوں کے پاس کچھ سورتیں تھیں اور دوسرے کے پاس دوسری سورتیں جبکہ بعض اصحاب رسول کے پاس صرف چند آیات ہی لکھی ہوئی تھیں۔ اب تک قرآن کو یکجا اور مکمل شکل میں جمع کرنے کا اہتمام نہیں ہو سکا تھا۔ رسول اللہ نے اپنی زندگی میں قرآن کو مدون کرنے کی غالباً اس لیے بھی کوشش نہیں کی کہ وحی قرآنی کا نزول جاری تھا اور رسول اللہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ کس آیت یا سورت کو قرآن میں کس مقام پر رکھنا ہے۔ آپ ایسا حضرت جبریلؑ کی ہدایت پر کرتے تھے۔

قرآن کے منتشر اجزا کو یکجا اور ایک مرتب نسخے کی شکل میں محفوظ کر دینے کا کام حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ہوا۔ آپؓ کے عہد میں یہ المناک واقعہ پیش آیا کہ نبوت کے مدعی مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کے ساتھ جنگ میں جسے اسلامی تاریخ میں جنگ یمامہ کے نام سے جانا جاتا ہے؛ قرآن کے حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی۔ بعض لوگوں نے ان شہید ہونے والے اصحاب کی تعداد ستر (70) لکھی ہے۔ اس واقعے سے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ تشویش پیدا ہوئی کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن کی شہادت یا موت ہوتی رہی تو اسباب کی سطح پر قرآن کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے قرآن کے تحفظ کو یقینی بنانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ چناں چہ انہوں نے اس فکر واندیشے سے حضرت ابوبکرؓ کو آگاہ کیا، حضرت ابوبکر ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو جواب دیا کہ: جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے، وہ ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم اس کام میں خیر ہی خیر ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کو اس پر شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو کاتبین وحی میں سے تھے اور

قرآن سے ان کا شغف ظاہر و باہر تھا؛ بلایا اور ان سے کہا کہ وہ اپنی نگرانی میں یہ کام شروع کریں۔ خود حضرت زید بن ثابت کی روایت کے مطابق، انہوں نے بھی اپنا وہی اشکال دہرایا جو حضرت عمر کے مشورے پر حضرت ابوبکر نے کیا تھا کہ جس کام کو رسول اللہ نے انجام دینے کی کوشش نہیں کی اس میں ہم اپنا ہاتھ کیوں ڈالیں۔ فرماتے ہیں کہ: ''خدا کی قسم اگر ابوبکر مجھے کسی پہاڑ کو اسکی جگہ سے ہٹانے کا حکم دیتے تو وہ میرے لیے اس ذمہ داری کی انجام دہی کی بہ نسبت زیادہ آسان ہوتا تاہم حضرت ابوبکر مجھ سے بتاکید یہ بات کہتے رہے۔ یہاں تک کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح اس کام کے تئیں اللہ تعالی نے مجھے بھی شرح صدر عطا کر دیا۔ چنانچہ میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی سلوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کیا''۔ (صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن)

2.7.3 جمع قرآن کا طریقہ کار

حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ میں یہ منادی کرادی کہ جس کے پاس قرآن کا جو بھی حصہ تحریری صورت میں موجود ہو، وہ زید کے پاس لاکر جمع کردے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بعض دوسرے حضرات کے علاوہ حضرت عمرؓ کو حضرت زید کی اس کام میں معاونت پر مامور کیا تھا۔ چناں چہ جب کوئی شخص ان کے پاس قرآن کا کوئی حصہ لے کر حاضر ہوتا تو مختلف طریقوں سے اس کی تصدیق کی جاتی تھی:

☆ حضرت زید اور حضرت عمر دونوں حافظ تھے۔ اپنے حافظے سے اس کی تصدیق کرتے تھے۔

☆ اس کے بعد قرآن کے اس تحریر شدہ حصے پر دو مستند اور قابل اعتبار لوگوں کی یہ گواہی لی جاتی تھی کہ قرآن کا یہ حصہ تحریر کیے جانے کے بعد آپ کی وفات کے سال آپ کے سامنے آپ کی تصدیق کے لیے پیش بھی کیا گیا تھا۔

☆ زیر ترتیب مجموعۂ قرآنی میں کسی آیت یا سورت کو شامل کرنے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ کسی دوسرے مکتوب نسخے سے اس کا موازنہ بھی کر لیا جائے۔ گویا متعلقہ آیت یا سورت کم از کم دو جگہ تحریر شدہ شکل میں موجود ہو۔

تقریباً ایک سال کی مدت میں قرآن کی جمع و تدوین کا کام مکمل ہوا۔ اور قرآن کا ایک مرتب و مدون نسخہ وجود میں آ گیا۔ اس نسخے کو ''ام'' کہا جاتا ہے۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکر کے پاس رہا۔ آپ کے انتقال کے بعد حضرت عمر کی تحویل میں آ گیا۔ حضرت عمر کی شہادت کے بعد یہ صحیفہ قرآنی ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس منتقل کر دیا گیا۔ حضرت عثمان کی تحویل میں یہ اس لیے نہیں دیا گیا کہ حضرت عمر کے انتقال کے وقت ابھی خلیفہ کے طور پر ان کا انتخاب نہیں ہوا تھا۔ حضرت عمر نے ان کی خلافت و جانشینی کا معاملہ شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا۔

تیسرا مرحلہ: عہد عثمان غنیؓ

حضرت عثمانؓ کے وقت تک اسلام حدود عرب سے نکل کر روم و ایران کے ایک بڑے حصے میں پھیل چکا تھا۔ اہل عجم کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو چکی تھی جن کی زبان عربی نہیں تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ لوگ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ خاص طور پر ان کے درمیان قرآن کی قرأت میں اختلافات سر ابھارنے لگے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ کی حدیث کے مطابق، قرآن عرب کے سات حرفوں پر نازل ہوا تھا۔ چناں چہ لوگ مختلف طرح سے قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ جب تک لوگوں کو قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے کی حقیقت معلوم رہی، اس وقت اس اختلاف نے سر نہیں اٹھایا لیکن پھر مختلف انداز کی قرأتوں کی بنیاد پر ان کے درمیان شدید ترین اختلافات پیدا ہو گئے۔ حضرت انس بن مالک کی روایت کے مطابق، حذیفہ بن یمان نے آرمینیہ اور آذربائیجان کی جنگ میں شرکت کی تھی۔ اس موقع پر قرأت قرآن کے معاملے میں لوگوں کے باہمی لڑائی جھگڑوں کو دیکھ کر انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن کی متواتر قرأتیں ہی لوگوں کے اختلاف اور جھگڑوں کا شکار ہو کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جائیں یا انہیں ہی غلط نہ قرار دینے لگیں۔ اس وجہ سے حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ قرآن کو صحیفوں سے باضابطہ ایک کتاب کی شکل میں مرتب کریں۔ اس اہتمام کے ساتھ کہ اس میں سورتیں بھی مرتب شکل میں ہوں۔ ان چاروں صحابہ میں سے حضرت زید کے علاوہ باقی تینوں قریشی تھے۔ حضرت عثمان نے ان حضرات سے فرمایا کہ اگر ان کے درمیان قرآن کی کسی آیت کو تحریر کرنے میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان میں لکھا جائے کیوں کہ قرآن بنیادی طور پر انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا تیار کردہ اصل نسخہ دوبارہ حضرت حفصہ کے پاس بھجوا دیا گیا۔

ان چاروں (بعض روایت کے مطابق بارہ) افراد پر مشتمل کمیٹی نے قرآن کا جو نسخہ تحریری شکل میں مرتب کیا اس کی خصوصیات یہ تھیں:

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار کیا گیا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں۔ ہر سورت الگ الگ صحیفوں کی شکل میں لکھی ہوئی تھی۔ چناں چہ تمام صحیفوں کو ایک ہی

مصحف میں مرتب شکل میں لکھا گیا۔ لکھنے میں ایسے رسم الخط کا استعمال کیا گیا کہ اس میں تمام متواتر قرأتیں جمع ہو جائیں۔ چناں چہ اس پر نقطے اور اعراب تک نہیں لگائے گئے۔ نیز یہ کہ اس کے پانچ یا سات نسخے تیار کرائے گئے۔ ان میں سے ایک کو مدینہ منورہ میں اور باقی نسخوں کو مکہ مکرمہ، شام، یمن اور کوفہ وغیرہ علاقوں میں بھیج دیا گیا اور مختلف لوگوں کے پاس قرآن کے جو مختلف نسخے اب تک موجود تھے، انہیں نذر آتش کر دیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دوسرے کسی مصحف قرآنی کی بنیاد پر اب دوبارہ کسی قسم کے اختلاف اور جھگڑے کو سر ابھارنے کا موقع نہ ملے اور پوری امت ایک نسخہ قرآنی کی قرأت وتلاوت پر متفق ہو جائے۔ تمام وہ صحابہ کرام جن کے پاس انفرادی نسخے تھے وہ بخوشی اس پر آمادہ ہو گئے۔ البتہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کو اس میں کچھ تردد اور تکدر رہا۔ تاہم بعد میں وہ بھی حضرت عثمانؓ کی رائے سے متفق ہو گئے، جو دراصل امت کی اجماعی رائے تھی۔

چوتھا مرحلہ: قرآن پر نقطے اور اعراب

حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عثمانؓ نے قرآن کا جو نسخہ تیار کروایا اس میں قرآن کے الفاظ وحروف پر نقطے اور حرکات (زیر، زبر، پیش وغیرہ) نہیں لگائے گئے تھے۔ عربوں میں اب تک نقطے اور حرکات کے بغیر ہی تحریر کا رواج تھا۔ اہل زبان ہونے کی بنیاد پر لوگ اس سے اس قدر مانوس تھے کہ عموماً اس میں انہیں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ لیکن اہل عجم کے لیے یہ صورت حال پریشاں کن تھی۔ اس لیے تلاوت کو آسان اور غلطیوں سے پاک کرنے کے لیے الفاظ قرآنی پر نقطے اور حرکات لگانے کی ضرورت پیش آئی اور وقت کے علما و اہل نظر نے اس سے اتفاق بھی کر لیا۔

اس تعلق سے کوئی ایک رائے نہیں ہے کہ یہ اہم خدمت کس اہل علم کے ذریعہ انجام پائی؟ زیادہ شہرت ابوالاسود دؤلی کو حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی ایما پر یہ کارنامہ انجام دیا۔ بعض اصحاب علم کے مطابق، یہ کام حجاج بن یوسف ثقفی کی فرمائش پر حسن بصریؒ، یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثی نے انجام دیا۔ کہا جاتا ہے کہ نقطے کی باضابطہ ایجاد کا سہرا خلیل بن احمد فراہیدی (175ھ) کے سر ہے۔

اس کے بعد قرآن کی تلاوت، حفظ اور تعلیم وتفہیم کے عمل کو آسان تر کرنے کے لیے مزید اقدامات بھی کیے گئے۔ جیسے ہر سورت کے شروع میں اس کا عنوان تحریر کرنا، آیت کے اخیر میں اختتامی علامت، قرآن کو اجزا یعنی پاروں میں تقسیم کرنا اور پارے کو نصف اور ربع میں تقسیم کرنا، رکوع لگانا، اسی طرح احزاب اور منزلوں کا تعین۔ بعض صحابہ و تابعین کو ان چیزوں میں تامل رہا لیکن اکثریت کے اتفاق رائے اور احساس ضرورت کے تحت یہ کام انجام دیا گیا۔ مثلاً قران کو سات منزلوں یا تیس پاروں میں تقسیم کرنا بعض علما کے قول کے مطابق، مدارس میں طلبہ کی تعلیم کی سہولت کے لیے تھا۔

آگے چل کر بعض علما نے رموز اوقاف کی تشکیل وتعیین کی جن سے تلاوت وتجوید کا عمل مزید آسان ہو گیا۔ پریس کی ایجاد کے بعد سب سے پہلے بعض عیسائیوں اور مستشرقین کی طرف سے قرآن کی اشاعت عمل میں آئی لیکن ان کے نسخوں کو عالم اسلام میں قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ پھر 1787 میں مولائے عثمان نے روس کے شہر ''سینٹ پیٹرس برگ''، میں قرآن کا ایک نسخہ طبع کروایا پھر قازان اور تہران وغیرہ مقامات پر قرآن کے نسخے طبع ہوئے اور اس طرح عالم اسلام میں قرآن کی طباعت واشاعت کی تحریک عام ہوتی چلی گئی۔

2.7.4 قرآن کا اعجاز اور عربی ادب پر اس کے اثرات

قرآن اپنے اندر اعجاز کے متعدد پہلو رکھتا ہے۔ ان میں بعض کا تعلق زبان وبیان سے تو بعض دوسرے پہلوؤں کا تعلق اس کے معانی وافکار سے ہے۔ یہاں ان سطور میں اس کے اعجاز کی پہلی قسم مراد ہے۔ قرآن نے منکرین کو چیلنج کیا کہ وہ اس کے جیسی ایک سورت ہی پیش کر دیں۔ (البقرۃ:23) اور اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا کہ تمام جن و انس مل کر بھی وہ اس عمل پر قادر نہیں ہو سکتے۔ (الاسراء:88) قرآن کے اس دعوے میں دونوں پہلو شامل ہیں کہ نہ تو الفاظ واسلوب کے لحاظ سے اس جیسا بلیغ ومؤثر کلام کسی سے ممکن ہے اور نہ ہی افکار ومعانی کے وہ جواہر جو قرآن اپنے اندر رکھتا ہے، اس کی نظیر پیش کی جا سکتی ہے۔

اس کا لغوی اعجاز دراصل اس کی بلاغت ہے۔ نزولِ قرآن سے قبل عرب نظم ونثر دونوں سے واقف تھے۔ البتہ نثر کا نمونہ بہت محدود تھا، کیوں کہ عربوں میں لکھنے کی روایت بہت کم تھی۔ تاہم ادبی روایت کا بڑا سرمایہ محفوظ تھا، جس پر اہلِ عرب کو فخر وناز تھا۔ وہ اشعار، خطبات کے اقتباسات اور فقروں، امثال ومحاورات کو بلاغت کا اعلیٰ نمونہ تصور کرتے تھے۔ قرآن نے جس اسلوب کو اختیار کیا وہ نہ تو شعر ہے اور نہ ہی خالص اور مجرد نثر، بلکہ وہ ان دونوں کے مابین ہے۔ اس میں بکثرت قافیہ کا حسن ہے، لیکن شعری اوزان اور پیمانوں سے خالی۔ اس میں نثری عبارتیں ہیں۔ طویل بھی مختصر اور درمیانہ نوعیت کی بھی، لیکن یہ نثر سپاٹ نہیں ہے۔

قرآنی لغوی وادبی اعجاز کے دوسرے پہلو یہ ہیں:

قرآن مختصر جملوں میں طویل عبارتوں کو سمودیتا ہے جیسے:فاستقم کما أمرت (ھود: 112) ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب (البقرۃ: 179) ، خذالعفو، وأمربالمعروف وأعرض عن الجاھلین. (الاعراف: 199)

امثال وحکم

قرآن بلیغ محاوروں،ضرب الامثال اور حکمت آفریں جملوں اور فقروں سے معمور ہے۔ان سے کلام میں حسن بھی پیدا ہوتا ہے اور وہ ذہن وفکر پر گہرا اثر بھی ڈالتے ہیں۔جیسے یہ جملے اور فقرے—کل امری بما کسب رھین(الطور: 21) لکل نبأ مستقر(الانعام: 67) تحسبھم جمیعاً و قلوبھم شتی (الحشر: 14)من یعمل سوء ا یجز بہ.(النساء:123)

کنایۃ

قرآن میں کنایوں،استعاروں اور مجازات وتشبیہات وغیرہ کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔جن سے کلام کا حسن واثر دوبالا ہوگیا ہے۔

نظم

قرآن کے اسلوب کا ایک کمال اس کا نظم ہے۔نظم کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مضامین میں باہم ایک خوب صورت ربط پایا جاتا ہے حالاں کہ عموماً قرآن کی مثلاً ایک سورت کی مجموعی آیات مختلف اوقات میں مختلف مواقع پر نازل ہوئی ہیں۔یہ قرآن کا لفظی اور معنوی دونوں اعجاز ہے۔

2.7.5 قرآنی اسلوب کے عربی ادب پر اثرات

عربی زبان وادب پر قرآن کے غیر معمولی اثرات مرتب ہوئے۔ حقیقتاً یہ اصلاً قرآن کریم ہی ہے جس نے اس زبان کو وہ پائیداری، حسن اور استحکام عطا کیا اور اس کو دیگر ایسی خصوصیات سے نوازا کہ وہ دنیا کی چند قدیم ترقی یافتہ زبانوں میں سے ایک تصور کی جاتی ہے۔وہ ایسی منفرد خصوصیات کی حامل ہے، جن کا تصور دوسری زبانوں کے تعلق سے نہیں کیا جاسکتا۔چناں چہ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے ڈیڑھ ہزار سالوں کے درمیان اس زبان کی ساخت، اس کی ترکیب، اس کی قواعدی خصوصیات اور اصول اپنی جگہ برقرار ہیں۔دوسری زبانوں کا معاملہ یہ ہے کہ صرف چند صدیوں کے بعد ان کے الفاظ اور ان کی قواعدی ساخت اتنی بدل جاتی ہیں کہ ان میں لکھی تحریروں کو پڑھنا اور سمجھنا عام لوگوں کے لیے ممکن نہیں رہتا۔لیکن عربی زبان اس معاملے میں منفرد ہے کہ اس کی ڈیڑھ ہزار سال قبل کی زبان واسلوب اور آج کے سلوب میں کوئی بڑا اور بنیادی فرق نظر نہیں آتا۔

قرآن جس وقت نازل ہوا، عربی زبان عرب قبائل کی متعدد لہجات کے زیر اثر پراگندگی کا شکار تھی۔قرآن کے ذریعے اس پراگندگی اور انتشار کی کیفیت ختم ہوئی۔اس طرح پورا عالم عرب ایک لسانی سانچے میں ڈھل گیا۔قرآن کا ہی فیض ہے کہ اس زبان کے جو ہزاروں الفاظ اور محاورے جنگلوں، پہاڑوں اور بیابانوں میں بدو قبائل کے خیموں تک محدود تھے، قرآن کی آیات کی تفہیم کے لیے مسلم لغت نگاروں اور ماہر لسانیات کی انتھک کوششوں سے عربی زبان وادب میں آئے اور ہمیشہ کے لیے عربی ادب کا حصہ بن گئے۔

قرآن نے نئی اصطلاحات وضع کیں۔پرانے الفاظ کو نئے معانی دیے یا دائرہ معنی کو وسعت دی جیسے: صلاۃ، زکاۃ، کافر، مسلم، مومن، رکوع، سجود وغیرہ۔دوسری زبانوں کے بہت سے الفاظ ہیں جو قرآن میں جگہ پا کر عربی ادب عالیہ کا حصہ بن گئے۔

معلومات کی جانچ

قرآن کی جمع وتدوین کی کمیٹی کا سربراہ حضرت ابوبکر نے کس صحابی کو بنایا تھا؟

قرآن کا جو پہلا نسخہ مرتب کیا گیا، اس کا نام کیا تھا؟

حضرت عثمان کے عہد میں تدوین قرآن کی دوبارہ ضرورت کیوں پیش آئی؟

2.7.6 خلاصہ

قران کی جمع وتدوین کا کام عہد رسالت میں شروع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خصوصی طور پر اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دو طریقے اختیار فرمائے۔ جمع صدور یعنی قرآن کو یاد کر کے سینے میں محفوظ کرنے کے ذریعہ اور جمع مکتوب یعنی تحریر و کتابت کے ذریعہ۔ قرآن کے منتشر اجزا کو یکجا اور ایک مرتب نسخے کی شکل میں محفوظ کر دینے کا کام حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ہوا۔ اس کے بعد اپنے تیسرے مرحلے میں قرآن کی تدوین حضرت عثمان کے عہد میں ہوئی۔ عہد عثمانی میں جو نسخہ قرآنی مرتب ہوا وہ نسخہ مصحف عثمانی کہلاتا ہے۔ اور یہ وہی نسخہ ہے جو پوری امت مسلمہ میں کے درمیان آج متداول ہے۔ اس کے بعد چوتھے مرحلے میں حجاج بن یوسف کی کوششوں سے قرآن پر اعراب اور نقطے لگائے گئے۔ اس طرح قرآن کی تدوین پوری طرح مکمل ہوگئی۔

قرآن اپنے اندر اعجاز کے متعدد پہلو رکھتا ہے۔ ان میں بعض کا تعلق زبان و بیان سے تو بعض دوسرے پہلوؤں کا تعلق اس کے معانی وافکار سے ہے۔ قرآن نے منکرین کو چیلنج کیا کہ وہ اس کے جیسی ایک سورت ہی پیش کر دیں۔ (البقرۃ:23) اور اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا کہ تمام جن وانس مل کر بھی وہ اس عمل پر قادر نہیں ہو سکتے۔ (الاسراء:88) قرآن کے اس دعوے میں دونوں پہلو شامل ہیں کہ نہ تو الفاظ واسلوب کے لحاظ سے اس جیسا بلیغ ومؤثر کلام کسی سے ممکن ہے اور نہ ہی افکار ومعانی کے وہ جواہر جو قرآن اپنے اندر رکھتا ہے، اس کی نظیر پیش کی جا سکتی ہے۔

قرآن کی نثر ایک اہم ادبی نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ نہ وہ مجرد نثر ہے اور نہ ہی شعر۔ وہ ان دونوں کے مابین کی صنف ہے۔ اس میں بکثرت قافیہ کا حسن ہے، لیکن شعری اوزان اور پیمانوں سے خالی۔ اس میں نثری عبارتیں ہیں۔ طویل بھی، مختصر اور درمیانہ نوعیت کی بھی، لیکن یہ نثر سپاٹ نہیں ہے۔ یہی قرآنی اسلوب کا کمال ہے جو اسے اعجاز کی صفت عطا کرتا ہے۔

2.7.7 نمونے کے امتحانی سوالات

عہد نبوی میں قرآن کی تدوین کی صورت کیا تھی؟ اظہار خیال کیجیے۔

عہد عثمانی میں تدوین قرآن سے متعلق کیا کام ہوا؟ وضاحت کیجیے۔

حضرت ابوبکر نے قرآن کے جمع وتدوین کا کیا طریقہ کار اختیار کیا؟ تفصیل کے ساتھ لہ کھیے۔

تدوین کے حوالے سے قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں میں کیا فرق ہے؟ بحث ک ہ ج ییے۔

2.7.8 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

(1) مولانا محمد تقی عثمانی: علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی

(2) ص ، ی صالح: علوم القرآن (ترجمہ: غلام احمد حریری)

(3) ڈاکٹر محمود احمد غازی: محاضرات قرآنی، اریب پبلی کیشنز، نئی دہلی

(4) مولانا محمد حنیف ندوی: مطالعہ قرآن، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

(5) نقوش، لاہور، قرآن نمبر۔